بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے عنوان سے میرے مضامین کا ایک مجموعہ پہلے شائع ہو چکا ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ اسی سلسلہ کے دوسرے حصہ کی حیثیت سے شائع ہو رہا ہے۔

کسی قوم کیلیے اُس وقت سے زیادہ پریشانی و سراسیمگی کا اور کوئی وقت نہیں ہوتا جب وہ دیکھتی ہے کہ اسکے گرد و پیش سارا ماحول اسکے خلاف بدل گیا ہے، زندگی کے کارخانہ کو چلانیوالی تمام طاقتیں اُن اصول اور اُن مناہج کے خلاف چل رہی ہیں جن پر اعتقاداً و عملاً اُس کے وجود قومی کی اساس قائم ہے، اور وہ اُس درخت کی طرح ہو کر رہ گئی ہے جس کیلیے زمین، ہوا، پانی، موسم، سب کے سب ناموافق و ناسازگار ہو گئے ہوں۔ بدقسمتی سے آج ہم ہندوستان کے مسلمان اسی صورت حال سے دوچار ہیں۔ ڈیڑھ صدی سے زیادہ مدت ہم پر اسی حالت میں گذر گئی ہے، اور روز بروز یہ حالت شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔ ہندوستان کی کسی دوسری قوم کو یہ پریشانی پیش نہیں آئی اسلیے دوسرے لوگ اُس اُلجھن کو بہ آسانی نہیں سمجھ سکتے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ انکے لیے ہر بدلی ہوئی صورت کے مطابق بدل جانا اور اپنی ہیئت کو ہر سانچے میں ڈھال لینا سہل ہے۔ ان

کے اعتقادات اور اصول حیات انکے وجود سے الگ ایک چیز ہیں جن کے بدل جانے اور سراسر الٹ جانے کے بعد بھی ان کا وجود جوں کا توں رہتا ہے۔ لیکن ہمارے اعتقادات اور اصولِ حیات میں ہمارا وجود ہیں، اور انکے بدل جانے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہم نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے ہندوستان کے حالات نے پلٹا کھایا ہے، ہم ایک الجھن میں مبتلا ہیں، اور یہ الجھن بڑھتی جا رہی ہے، کیونکہ ہمارے گرد و پیش ایک ایسا ڈھانچہ بن گیا ہے اور بنتا جا رہا ہے جس میں ہم کسی طرح ٹھیک نہیں بیٹھتے۔

انگریزی حکومت جب ہندوستان پر مسلط ہوئی تو اس کے ساتھ ہی ہمارے ماحول میں ایک ہمہ گیر تغیر رونما ہونا شروع ہو گیا۔ ہم صرف مقام عزت و اقتدار ہی سے گرا نہیں دیے گئے بلکہ ایک غیر مسلم قوم کے غلبہ و استیلا کا یہ نتیجہ روز بروز زیادہ شدت کیساتھ ہمارے سامنے آنے لگا کہ ہمارے گرد و پیش افکار، نظریات، اصول اخلاق، طرز تمدن، معیار تہذیب، قوانین معاشرت و معیشت، نظام حکومت و سیاست، غرض ایک دنیا کی دنیا بدلتی چلی جا رہی ہے اور اسکی ہر چیز ہمارے اجتماعی مزاج اور ہماری قومی طبیعت کے بالکل خلاف ہے۔

اول اول ہم نے کوشش کی کہ پتھر کی ایک چٹان بن کر تغیر و انقلاب کی اس رو کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ کرنے کے ہم اہل بھی نہ تھے۔ صدیوں کے جمود نے ہم میں اتنی صلاحیت ہی باقی نہ رہنے دی تھی کہ ہم اس انقلاب کی حقیقت کو سمجھ سکتے اور نہ اتنی طاقت باقی چھوڑی تھی کہ سوچ سمجھ کر اُن تدابیر کو عمل میں لاتے جو کسی انقلاب کے مقابلہ میں اختیار کرنی چاہییں۔ اتنی صلاحیت اور طاقت ہم میں ہوتی تو یہ انقلاب رونما ہی کیوں ہوتا۔

ایک صدی تک خوب پسنے اور مادّی و اخلاقی حیثیت سے تباہ ہو جانے کے بعد یہ راز ہم پر کھلا کہ تغیرات زمانہ کے سیلاب کا مقابلہ جامد چٹان بن کر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد ہمارے

دانشمندوں نے ہمیں ایک اور پالیسی کی تلقین کی اور وہ یہ تھی کہ:

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

ہم نے کہا کہ آؤ اسی کو آزما دیکھیں، شائد اپنے آپ کو کچھ بدل کر ہم اس نئے ڈھانچہ میں ٹھیک بیٹھ سکیں۔ چنانچہ ہم نے پہلے مغربی تعلیم کی طرف توجہ کی اور اپنے آپ کو زمانے کی رو کے ساتھ بہنے کیلیے تیار کیا۔ پھر غیر مسلم حکومت کی بارگاہ میں درخور حاصل کرنے کی کوشش کی تاکہ اپنی کھوئی ہوئی مادّی طاقتوں میں سے کم از کم ایک معتدبہ حصہ بازیافت کریں۔ پھر اپنے ملک کے جدید سیاسی تغیرات سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی کہ زمانہ کا یہ سیلاب جس طرف جا رہا ہے اسی طرف سب کے ساتھ ہم بھی جائیں۔

یہ تغیرات جو ہم نے اپنی پوزیشن میں کیے، ان سب میں ہمارے پیشِ نظر یہ مسلک رہا کہ اپنی خودی کا تحفظ بھی کرو اور زمانے کے ساتھ بھی چلو۔ لیکن ستّر برس کے تجربے پر ایک غائر نگاہ ڈال کر دیکھیے، کیا اس زمانہ سازی کے دور میں ہم اپنی خودی کو محفوظ رکھ سکے ہیں؟ واقعات کی ناقابلِ تردید شہادت ہے کہ ایسا نہیں ہوا، اور عقل اس کو محال کہتی ہے کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ چوکھونٹے سانچے میں آپ ٹھیک بھی بیٹھیں اور اپنی ہیئت کی گولائی کو تبدیل بھی نہ کریں۔ دریا کے رخ پر بہیں بھی اور اپنی جگہ پر قائم بھی رہیں۔ یہ دو باتیں بالکل متضاد ہیں اور ان کو جمع کرنا صریح عقل کے خلاف ہے۔

مغربی تعلیم کے تجربے سے کیا ثابت ہوا؟ یہ کہ جو ماحول ہم پر مسلط ہے اس میں سے محض ایک عنصر، یعنی "تعلیم" کو ہم دوسرے عناصر سے الگ کر کے نہیں لے سکتے۔ دوسرے عناصر جنکے ساتھ اس عنصر کا غیر منفک رابطہ ہے، خود بخود اسکے ساتھ آتے ہیں۔ زندگی کا ایک اور نقطۂ نظر، اخلاق کے کچھ دوسرے اصول، اشیاء کی قدر و قیمت متعین کرنے کا ایک مختلف معیار،

متمدن زندگی کے کچھ نرالے ڈھنگ، جو سب کے سب اسلام سے بالکل بیگانہ ہیں، اس ایک چیز کو قبول کرتے ہی خواندہ و ناخواندہ آنے شروع ہو جاتے ہیں، اور ان سب کے جمع ہو جانے سے مسلمان خود بخود نامسلمان بنتا چلا جاتا ہے۔

سرکار فرنگ کے دربار میں پہنچ کر ہمیں کیا سبق ملا؟ یہ کہ دین، ایمان، اخلاق، تہذیب، تمدن سب کچھ ایک روٹی کے عوض دیدو اور روٹی بھی پیٹ بھر نہ ملے۔ اپنی خودی کو قربان کیے بغیر وہاں سے تم کچھ نہیں پا سکتے، اور اس قربانی کے بعد بھی تمہاری حیثیت ایک خادم سے بڑھ کر نہیں ہوتی جو ایک متاع حقیر کی طرح آقا کے مفاد پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔

سیاسیات میں زمانہ سازی کا پھل کیا ملا؟ یہ کہ تمام سیاسی تغیرات جو اب تک ہوئے اور جو آئندہ ہونے والے ہیں، ہمارے نظریات عمرانی کے بالکل خلاف اور خداوندان فرنگ کے نظریات عمرانی کے عین مطابق ہیں۔ ان کا نظریۂ قومیت، انکے اصول جمہوریت، ان کے تصورات حکومت و سلطنت، انہی چیزوں پر تمام جدید تغیرات کی بنا رکھی گئی ہے، اور ایسے تغیرات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کے معنی اپنے وجود کو ایک دوسرے وجود میں بالکل تحلیل کر دینے کے ہیں۔

ان تجربات کے بعد اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی دوسری پالیسی پر بھی نظر ثانی کریں۔ پہلی پالیسی قریب قریب سو برس کے تجربہ سے غلط ثابت ہوئی اور اسے بدلنا پڑا۔ دوسری پالیسی کو ستر برس کے تجربے نے غلط اور غلط ہی نہیں مہلک ثابت کر دیا۔ اس کو بھی بدلنا اور بہت جلدی بدل ڈالنا چاہیے۔ اب ہمارے لیے صرف تیسری پالیسی باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

جو ڈھانچہ تمہارے گرد و پیش چھا گیا ہے اس سے تم الگ بھی نہیں رہ سکتے، اور اس میں

اپنی خودی کو قربان کیے بغیر ٹھیک بھی نہیں بیٹھ سکتے، لہذا آؤ اب مردوں کی طرح لڑ کر اس ڈھانچے کو توڑ ڈالو اور اسے مجبور کرو کہ تمہاری ہیئت کے مطابق بنے۔ جس سیلاب میں تم گھر گئے ہو اس کے ساتھ بہنے میں تمہارا وجود نمک کی طرح تحلیل ہوا جاتا ہے، اور اسکے مقابلہ میں جامد چٹان بن کر تم اپنی جگہ جم بھی نہیں سکتے، لہذا آؤ، اب بہادروں کی طرح اٹھ کر اس سیلاب کا رخ پھیر دو اور اسے اُس رخ پر بہنے کیلیے مجبور کرو جو تمہاری فطرتِ مُسلمہ کے مقتضا سے مطابقت رکھتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس میں کامیابی نہ ہو بہت ممکن ہے کہ تم خود ہی اس لڑائی میں ہلاک ہو جاؤ۔ مگر بکری کی زندگی کے سو برس سے شیر کی زندگی کا ایک دن بہر حال زیادہ قیمتی ہے۔

یہی انقلابی ذہنیت ہے جسے میں اب مسلمانوں میں، خصوصاً ان کے نوجوانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ انقلابی ذہنیت یکایک پیدا نہیں ہوتی۔ زمانہ کی سخت ٹھوکریں کھا کھا کر آہستہ آہستہ دماغ درستی پر آتا ہے، اور ان ٹھوکروں کے ساتھ آہستہ آہستہ انقلابی ذہنیت اُس کے اندر اترتی ہے۔ اس دوران میں آدمی کو بڑے سخت مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ باہر والوں سے پہلے گھر والوں سے لڑائی، اور لڑائی بھی چومکھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ قدیم پالیسی جن دماغوں میں گہری جمی ہوئی ہوتی ہے وہ انقلاب کی دعوت سن کر اول تو اس کا مفہوم و مدعا ہی نہیں سمجھ سکتے۔ پھر کچھ کچھ سمجھتے بھی ہیں تو اسے اپنے عادی تصورات کے خلاف پا کر مشتعل ہو جاتے ہیں کوئی سمجھتا ہے کہ یہ کوئی نیا دوکاندار آیا ہے جو ہماری پرانی جمی ہوئی دوکانوں کے مقابلے میں اپنی دوکان جمانے کیلیے یہ باتیں کر رہا ہے۔ کوئی خیال کرتا ہے کہ یہ کوئی گہری سازش ہے جسے دشمنوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا ہے۔ کوئی تیوری بدل کر کہتا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے بال قومی خدمت میں سفید کیے ہیں ان کے مقابلہ میں نوخیز، طفلِ مکتب ہو کر تمہیں زبان

کھولتے شرم نہیں آتی - کوئی آوازہ کستا ہے کہ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ - اور کوئی نہنگِ سال خوردہ سیلاب کے ساتھ بہتے ہوئے ایک سرپرستانہ نگاہ اس رَو کے خلاف تیرنے والی مچھلی پر ڈالتا ہے اور بس یہ کہکر آگے بہ نکلتا ہے کہ اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی، ہم بھی پہلے کہہ چکے ہیں -

پھر پرانے خیالات کی ایک دنیا ہوتی ہے جسے انقلاب کے داعی کو توڑنا پھوڑنا ہوتا ہے، اور نئے خیالات کی ایک دنیا ہوتی ہے جو اُسے بنانی پڑتی ہے - لوگ پرانے خیالات سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ نہایت مضبوط دلائل کے ساتھ تنقید کرکے ان کی بنیادیں ہلا نہ دی جائیں - اور نئے خیالات قبول نہیں کرسکتے جب تک کہ تعمیری افکار کو حکمت عملی کے ساتھ پیش کرکے انہیں قابل قبول نہ بنا دیا جائے، اور معقول دلائل کے ساتھ انہیں مطمئن نہ کردیا جائے کہ اس مضبوط ڈھانچے کو جس کی گرفت میں تم طوعاً یا کرہاً آگئے ہو، یوں توڑا جاسکتا ہے اور اسکی جگہ یہ ڈھانچہ بنانے کی ضرورت ہے جس میں تم ٹھیک بیٹھ سکتے ہو، اور یہ دوسرا ڈھانچہ اس طرح بننا ممکن ہے - اس کام میں تخریبی تنقید اور جدید تعمیر دونوں ساتھ ساتھ کرنی پڑتی ہیں - جب تک یہ دونوں کام تکمیل کے قریب نہیں پہنچ جاتے، غلط فہمیوں، بدگمانیوں اور پریشان خیالیوں کا ایک گہرا غبار ہر طرف چھایا رہتا ہے جسکی وجہ سے پرانے خیالات کے معتقدین اور جدید و قدیم کے درمیان بھٹکنے والے مذبذبین کے ایک انبوہ کثیر کو انقلابی نصب العین کا نقطہ صاف نظر نہیں آسکتا کہ وہ اُس پر جمع ہوسکیں، اور جب تک یہ نقطہ واضح ہوکر اس قابل نہیں بن جاتا کہ قوم کی عملی قوتیں اس پر مجتمع ہوں، اس وقت تک عملی جد و جہد کی راہ میں کوئی قدم آگے نہیں بڑھ سکتا - پس یوں سمجھیے کہ ابتداءً سب سے بڑا عمل یہی ہے کہ قدیم خیالات کا طلسم پیہم ضربوں سے توڑا جائے اور جدید خیالات کیلیے راہ صاف کی جائے -

تخریبی تنقید کے مرحلے میں ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ قدیم پالیسی کی غلطیاں اور مضرتیں ثابت کرنے کیلیے اُس پالیسی پر چلنے اور چلانے والوں کو تنقید کا ہدف بنائے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور یہ ایسا کام ہے جسے دل پر پتھر رکھ کر انجام دینا پڑتا ہے۔ اس میں آدمی کو بہت سی دوستیوں، بہت سی محبتوں، بہت سے پرانے تعلقات کی قربانی دینی پڑتی ہے، اور بہت سے ان بزرگوں کی ناراضی مول لینی ہوتی ہے جن کا وہ تمام عمر احترام کرتا رہا ہے اور جنکی بزرگی کے احترام سے اس کا دل کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اس میں آدمی کو اس امر کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں تنقید کی شدت سے وہ جواب میں ضد پیدا نہ کردے، اور کہیں جوابی حملے خود اس کے ذہنی توازن کو نہ بگاڑ دیں۔ غرض اس خارزار سے اس کو بہت ہی سنبھل کر گذرنا پڑتا ہے اور ہر وقت اپنے اعصاب کی بندش چست رکھنی ہوتی ہے۔

انقلابی ذہنیت پیدا کرنے کیلیے تدریج کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ لوگوں کی قوتِ تحمل سے زیادہ خوراک دینا بھی مہلک ہے اور جتنی خوراک کی طلب ان میں پیدا ہو چکی ہو اس سے کم دینا بھی برے نتائج پیدا کرتا ہے۔ یہاں قدم قدم پر آدمی کی قوت فیصلہ کا سخت امتحان ہوتا ہے، اور صرف خدا ہی کی مدد اسکو حالات کا صحیح اندازہ کرنے اور ٹھیک وقت پر ٹھیک قدم اٹھانے کی طاقت بخش سکتی ہے۔

میں اپنی کمزوریوں سے خوب واقف ہوں، اور انہی کمزوریوں کا احساس ہے جو مجھے ہر وقت مجبور کرتا ہے کہ میں خداوند عالم سے علمِ صحیح اور عقلِ سلیم کیلیے دعا کروں۔ محض فرض کی پکار نے مجھے مجبور کر کے اُس کام پر آمادہ کیا ہے جسکے دشوار گذار مرحلوں کو دیکھ کر ایک طرف، اور اپنی کمزوریوں کو دیکھ کر دوسری طرف، میری روح لرز اٹھتی ہے۔ بہرحال محض خدا کے بھروسے پر میں نے اس میدان میں قدم رکھ دیا ہے اور ان تمام حکمتوں کو پیش نظر رکھ کر، جنکی طرف

اوپر اشارہ کر چکا ہوں، اپنے انقلابی مشن کی تبلیغ شروع کر دی ہے۔

پچھلا مجموعہ مرتب کرتے وقت میں نے خاص طور پر اس بات کو ملحوظ رکھا تھا کہ ابھی محض لوگوں کو چونکانے اور ان کے دماغوں کو انقلابی تصورات کیلیے تیار کرنے کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے میں نے مسلمانوں کی پچھلی تاریخ، انکے موجودہ حالات، اور انکے گرد و پیش کام کرنے والی قوتوں کے رجحانات پر ایک سرسری تبصرہ کرتے ہوئے صرف یہ بتانے پر اکتفا کیا تھا کہ تمہارے اندر کیا کمزوریاں ہیں، اور باہر سے کس قسم کے خطرات تم کو گھیرے ہوئے ہیں، اور تمہاری تہذیب کی فطرت سے تمہارے ماحول کی طاقتیں کس طرح متصادم ہو رہی ہیں۔ اس تبصرے کے ساتھ میں نے جدید انقلابی نصب العین کی طرف محض چند اشارات کیے تھے اور انہیں قصداً زیادہ واضح نہیں کیا تھا تاکہ اچانک ایک نرالی آواز سن کر طبائع آمادۂ بغاوت نہ ہو جائیں۔

اب اس دوسرے مجموعہ میں، میں ایک قدم اور بڑھا رہا ہوں۔ اب میں نے زیادہ وضاحت کے ساتھ ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام اور اسکی بنیادوں کا تجزیہ کیا ہے اور ایک ایک مقام پر انگلی رکھ کر بتایا ہے کہ یہاں مسلمانوں کیلیے ہلاکت ہے، اور یہاں ان کیلیے نقصان ہے، اور یہ چیزیں انکے مزاج قومی کے منافی ہیں — یہ ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ مسلمانوں کو محض خیالی خطرات سے ڈرایا جا رہا ہے — اسکے بعد میں نے مسلمانوں کے اُن رہنماؤں کی پالیسی پر تنقید کی ہے جو اب تک "زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز" کے مسلک پر چلے جا رہے ہیں۔ جس قدر دلائل و شواہد میں فراہم کر سکتا تھا ان سب سے کام لے کر میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ پورا نظامِ حکومت و سیاست جو ہم پر مسلط ہے، اپنے اصول و فروع سمیت، اُن اصولوں سے متصادم ہو رہا ہے جن پر

ہماری قومی زندگی کی بنا قائم ہے، اور اس نظام کو انہی بنیادوں پر قائم رکھ کر اپنے آپ کو جوں کا توں، یا کسی قدر تحفظ کیساتھ اس میں فٹ کرنیکی کوشش کرنا سراسر ایک غیر دانشمندانہ طریقِ کار ہے، اور مسلمان اس طریقِ کار سے ہرگز کسی فلاح کی، اور فلاح کیا معنی، اپنے بقاء کی بھی امید نہیں کر سکتے ——

اس بحث سے میرا واضح مقصد یہ ہے کہ خیالات، مقاصد اور پالیسیوں میں جو اشتباہ و التباس اور الجھاؤ اس وقت پایا جا رہا ہے اسے ختم کر دیا جائے، جو مختلف اور متضاد راستے اس وقت خلط ملط اور گڈمڈ ہو گئے ہیں ان کو الگ الگ کر کے دینِ قیم کی راہ اور طاغوت کی راہ کو بالکل ایک دوسرے سے ممیّز کر دیا جائے، اور لوگوں کو مجبور کر دیا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک ہی راستے کو اپنے لیے منتخب کریں۔ جو وطن پرست ہیں اور ایک ہندوستانی قومیت میں جذب ہونا چاہتے ہیں وہ علیٰ وجہ البصیرت اور علیٰ رؤس الاشہاد اس راستے پر جائیں اور یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ راستہ اسلام کے راستے کے خلاف جا رہا ہے۔ اور جو مسلمان ہیں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں وہ قوم پرستی اور نیشنلزم کا نام لینا چھوڑ دیں اور اُس تحریک سے الگ ہو جائیں جو اسلامی قومیت کو وطنی قومیت میں تحلیل کرنا چاہتی ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ میں ان لوگوں کے موقف کو ناممکن الوقوف بنا دینا چاہتا ہوں جو بیک وقت دو کشتیوں میں پاؤں رکھنا چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ مخالف سمتوں میں جانیوالی کشتیاں ہیں —— سب سے آخر میں میں نے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ ہمارے لیے اب صحیح قومی پالیسی کیا ہے اور اس کو کس طرح عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کو پورا جواب مل جائے گا جو اس غلط خیال میں غرص و تخمین کے تیر تکے چلا رہے ہیں کہ میرے پاس محض سلب ہی سلب ہے، اثبات و ایجاب نہیں ہے۔

جب لوگ موجود الوقت نظام کے پوری طرح خوگر ہو چکے ہوں تو ان کے لیے یہ

سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اس نظام میں اصولی خرابیاں کیا ہیں، اور یہ کہ اسکے اصولوں سے مختلف بھی کچھ اصول ہو سکتے ہیں جن پر کوئی قابلِ عمل نظام بن سکتا ہے۔ اس لیے میں جانتا ہوں کہ اُس توضیح و تشریح کے باوجود جو میں نے موجودہ نظام پر تنقید کرنے اور جدید تعمیر کا نقشہ کھینچنے میں اختیار کی ہے، بہت سے نکات ایسے باقی رہ جائینگے جن میں لوگوں کو اُلجھن پیش آئیگی۔ میں خود بھی اپنا تمام وقت ان کو سمجھنے میں صرف کر رہا ہوں، اور اپنے ناظرین سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ اس مجموعہ کو ملاحظہ فرماتے وقت وہ نوٹ کرتے جائیں کہ کون کون سے مقامات توضیح طلب ہیں۔ اگرچہ میں گالیاں دینے والے حضرات کا بھی شکر گذار ہوں کہ وہ بھی میری اخلاقی تربیت میں مفید حصہ لے رہے ہیں، مگر میں اُن حضرات کا اور زیادہ شکر گذار ہونگا جو میرے ان مضامین پر تحقیقی تنقید فرمائینگے۔

ابوالاعلیٰ

۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۷ھ